خطۂ بہاول پور کے اردو سفر نامہ نگار اور حجازِ مقدس

Urdu Travelegue of Bahawalpur region and Holly Hijaz

ڈاکٹر سائرہ ارشاد[1] ڈاکٹر مطاہر شاہ[2] ڈاکٹر محمد رحمان[3]

ABSTRACT:

Religious travelogues have a unique place in Urdu literature. This genre fully meets all the requirements of the living literary genres. Considering this context, while the world of literature got a new direction, Urdu fiction could not remain indifferent. There is a deep connection between literature and life. A successful writer can grasp the realities of life through his power of observation, while in the travelogue the record is compiled in view of this feature. The Bahawalpur region has a rich tradition of religious travel writing. Khalifa Ahmad Akhtar Mirza's travelogue was published under the title "Safarnameh Faridi" in the year 1896, while Muhammad Hafeez-ur-Rehman wrote the travelogue "Hijaz" in the year 1933.In the year 1937, Nawab Sadiq Muhammad Khan Khamis wrote a travelogue entitled "Hajj Sadiq". In the year 1939, the travelogue "Hadiyat-ul-Sadiq" written by Muhammad Jafar came to light. After the establishment of Pakistan, Gohar Mulsiani, Bushra Rehman, Haider Qureshi, Khurshid Nazer and other travel writers played a vital role in carrying forward the same tradition of travel writing.

Key words: Atmospheres of mercy, Internal import, spiritual solace, vitality and serenity, Hajj rituals،Eternity, radiant state.

اُردو ادب میں مذہبی سفر نامے کو منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ صنف پوری آب و تاب کے ساتھ جان دار ادبی اصناف کے تمام تقاضوں پر پورا اُترتی ہے۔ اس سیاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں دنیائے ادب کو نیا رخ ملا وہیں اردو افسانوی و غیر افسانوی ادب بھی غافل نہ رہ سکا۔ ادب اور زندگی میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ ایک کامیاب ادیب اپنی قوت مشاہدہ کے بل بوتے پر زندگی کی حقیقتوں کا ادراک کر سکتا ہے جب کہ سفر نامے میں اسی خصوصیت کے پیشِ نظر روداد مرتب کی جاتی ہے۔ خطۂ بہاول پور مذہبی سفر نامہ نگاری میں جان دار روایت کا حامل ہے۔ 1896ء میں خلیفہ احمد اختر مرزا کا سفر نامہ ''سفر نامۂ فریدی'' کے عنوان سے شائع ہوا جب کہ 1934ء میں محمد حفیظ الرحمن نے ''سفر نامہ حجاز'' لکھا۔ 1937ء میں نواب صادق محمد خان خامس نے ''حج صادق'' کے عنوان سے سفر نامہ لکھا۔ 1939ء میں محمد جعفر کا تحریر کردہ سفر نامہ ''ہدیۃ الصادق'' منظر عام پر آیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد سفر نامے کی اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے گوہر ملسیانی، بشریٰ رحمن، حیدر قریشی، خورشید ناظر اور دیگر سفر نامہ نگاروں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

انسانی زندگی میں مذہب کا عمل دخل انتہائی اہم ہے۔ مذاہب عالم میں مختلف پہلوؤں سے سفر کی تاکید کی گئی ہے۔ مقدس مقامات کی

[1] Research Scholar, Government Sadiq Women University, Bahawalpur
[2] Assistant Professor Urdu, Hazara University, Mansihra.
[3] Assistant Professor Urdu, Hazara University, Mansihra.

زیارت اور برگزیدہ ہستیوں سے ملاقات یا عقیدت ان اسفار کی وجہ بنتی ہے۔ اسلام میں سفر کو وسیلۂ ظفر قرار دیا گیا ہے۔ مذہب اسلام میں حضرت آدمؑ و حواؑ کا عرش سے فرش کا سفر اسی سلسلے کی پہلی کڑی قرار دیا جا سکتا ہے۔ انبیاء و رسل اور ان کے پیروکار اسی نوع کا سفر اختیار کرتے رہے جب کہ الہامی و غیر الہامی مذہبی کتب میں بھی اسفار کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے۔ عقیدت و محبت اور ارادت پر مشتمل یہ سفر نامے داخلی واردات، جذب و سرور اور روحانی تسکین کا باعث بنتے ہیں۔

اُردو ادب میں مذہبی سفر نامے کو منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ صنف پوری آب و تاب کے ساتھ جان دار ادبی اصناف کے تمام تقاضوں پر پورا اُترتی ہے۔ ادب اور زندگی میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ ایک کامیاب ادیب اپنی قوت مشاہدہ کے بل بوتے پر زندگی کی حقیقتوں کا ادراک کر سکتا ہے جب کہ سفر نامے میں اسی خصوصیت کے پیشِ نظر روداد مرتب کی جاتی ہے:

"سفر نامہ نگاری لازماً ایک تخلیقی تجربہ ہے۔ اس کا اطلاق انہی معنوں پر ہوتا ہے جو تخلیقی تجربے سے وابستہ کیے جاتے ہیں۔"[1]

سفر نامہ نگار صرف تاریخ و تہذیب اور جغرافیے کو مدنظر نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دل کش مناظر، دورانِ سفر درپیش رکاوٹوں اور نگاہِ باطن سے قوموں کے عروج و زوال کا جائزہ لیتا ہے۔ یوں داخلی و خارجی کیفیت میں ڈھل کر سفر نامہ ایک منفرد حیثیت اختیار کرتا ہے، جب کہ دلچسپ اسلوب اسے تخلیقی فن پارہ بنا دیتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی جدید طرز کے اس سفر نامے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اب سیاح کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ مخصوص ماحول اور حالات میں اپنے ذاتی اور انفرادی ردعمل کی وہ جھلک پیش کردے جس سے قاری کی ذہنی وسعت اور انسان شناسی میں اضافہ ہو۔"[2]

خطۂ بہاول پور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے الگ پہچان کا حامل ہے۔ اس خطے کے ماضی میں جھانکیں تو نہ صرف امیر ریاست کا تصور ابھرتا ہے بلکہ نوابین بہاول پور کی وضع قطع اور خطے کی پہچان کا الگ زاویہ نظر آتا ہے۔ یہاں کی علمی و ادبی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ یہ خطہ برصغیر کے علمی، تدریسی اور تمدنی مرکز کی حیثیت سے الگ پہچان اور تشخص رکھتا ہے۔

اُردو ادب کے حوالے سے بھی یہ خطہ ایک منفرد تشخص کا حامل ہے۔ خاص طور پر مذہبی سفر نامہ نگاری میں یہاں ایک جان دار روایت ملتی ہے۔ چنانچہ 1896ء میں خلیفہ احمد اختر مرزا کا سفر نامہ "سفر نامۂ فریدی" کے عنوان سے شائع ہوا جب کہ 1934ء میں محمد حفیظ الرحمن نے "سفر نامہ حجاز" لکھا۔ 1937ء میں نواب صادق محمد خان خامس نے "حج صادق" کے عنوان سے سفر نامہ لکھا۔ 1939ء میں محمد جعفر کا تحریر کردہ سفر نامہ "ہدیۃ الصادق" منظر عام پر آیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد سفر نامے کی اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے گوہر ملسیانی، بشریٰ رحمن، حیدر قریشی، خورشید ناظر اور دیگر سفر نامہ نگاروں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

گوہر ملسیانی[3] نے "حرمین شریفین کی فضاؤں میں" کے عنوان سے سفر نامہ تحریر کیا۔ اس سفر نامے میں مقدس مقامات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ گوہر ملسیانی محققانہ انداز سے اپنے مشاہدات بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ قرآنی آیات اور احادیث کو بنیاد بنا کر دلائل دیتے ہیں۔ وہ ایک سیاح کی بجائے سفر نامہ نگار کے طور پر تاریخی مقامات اور ان کی خصوصیات کو اپنے علم و مشاہدے کی بدولت بھرپور انداز میں

پیش کرتے ہیں۔ وہ اِن تجربات میں قاری کو بھی برابر کا شریک کرتے ہیں۔ اور یہی ایک اچھے سفر نامہ کی بنیادی خصوصیت ہوتی ہے: "سفر نامے کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں کہ اس کی نثر دل کش ہو، اس کا مشاہدہ گہرا ہو۔ مصنف جس لطف سے سرشار ہو قاری کو اس میں برابر کا شریک کر سکے۔"[4]

اس سفر نامے میں افسانوی اسلوب کو مد نظر رکھا گیا ہے نیز گوہر ملسیانی اپنی شاعرانہ صلاحیت کی بدولت سفر نامے میں رنگینی اور دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں۔ گوہر ملسیانی نے خود کو نیک اور پاک باز بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بشری کمزوریوں کا من و عن اظہار کیا ہے۔ اس حوالے سے وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"آبِ زم زم کے ٹینک پر پہنچے، سیر ہو کر پیا۔۔۔ بوتل بھرنا شروع کی تو ایک دست نازک کندھے کے اوپر سے گلاس لیے نمودار ہوا۔ بازو گداز سونے کی چوڑیوں سے مرصع، دل نے خواہش کی کہ نظر اُٹھا کر دیکھوں، عقل نے روک دیا، احرام باندھے ہوئے ہو۔"[5]

گوہر ملسیانی اس سفر نامے میں چارٹ کے ذریعے وہ دن، تاریخ اور مناسک حج کے بارے میں قاری کو معلومات پہنچاتے ہیں۔ یوں انھوں نے سادگی اور جامعیت سے مناسک حج کی ترتیب وار معلومات بیان کی ہیں۔

محمد اخلاق قریشی[6] کا سفر نامہ "رحمت کی برکھا" عمرے کی روداد پر مشتمل ہے۔ وہ اس سے قبل بھی عمرے کی ادائیگی کر چکے تھے۔ چناں چہ اپنے جذبات و احساسات کو انتہائی خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں جب کہ حمدیہ اشعار کے ذریعے سفر نامے میں جاذبیت پیدا کرتے ہیں۔ یوں اُن کا سفر نامہ ایک خاص جذب و کیف سے لبریز ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی:

"ایک کامیاب سفر نامہ وہ ہوتا ہے جو صرف ساکت و جامد نظریات کا عکاس نظر نہ ہو بلکہ لمحۂ رواں میں آنکھ، کان، زبان اور احساس سے ٹکرانے والی ہر شے نظر میں سما جانے والی ہو۔"[7]

محمد اخلاق قریشی مکہ معظمہ کو جلال اور مدینہ منورہ کو جمال قرار دیتے ہیں۔ اس شہر کی عظمت کے حوالے سے اشعار بیان کیے گئے نیز حضرت محمدؐ سے محبت و عقیدت بھرے جذبات کا بھرپور اظہار اور آپؐ کی زندگی، ہجرت اور تبلیغ کے حوالے سے تفصیل فراہم کی گئی ہے۔:

"عاشقانِ مصطفی نے مدینہ منورہ کو بے شمار ناموں سے موسوم کر رکھا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے شہر رسول کو بے شمار ناموں سے بیان کیا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں شہر کی خصوصیات و صفات کے حوالے سے نبی کریمؐ نے بے شمار ناموں سے اپنے اس پیارے شہر کو یاد کیا۔ عاشقوں اور شاعروں نے ان گنت الفاظ و تراکیب سے اس شہر محبت کا ذکر کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔"[8]

محمد اخلاق قریشی مسجد نبوی کی خوب صورتی اور تزئین و آرائش دیکھ کر مبہوت رہ جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ جہاں امن و سکون کی علامت ہے وہیں مرقع نور بھی ہے۔ وہ روضۂ رسول پر حاضری دیتے ہوئے اور آپؐ کے جاں نثاروں کی عظمت و جرأت کے واقعات یاد کر کے اپنے آنسو ضبط کرتے ہیں کہ کہیں یہ معاملہ بے ادبی نہ شمار ہو:

"یہ شہر لعل و گوہر، جواہر تابندہ، ایمانی تقویت کی علامت کا خزینہ ہے کہ نہ ایک بار حاضر ہو کر وہاں جی سیر ہوتا ہے نہ سو بار دیکھ کر تشنگی دور ہوتی ہے۔"[9]

محمد اخلاق قریشی کا دوسرا سفر نامہ "گنبدِ خضریٰ کے سائے میں" عمرے کی ادائیگی پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے کی ضخامت اخلاق قریشی کے پہلے سفر نامے "رحمت کی برکھا" کے مقابلے میں تین گنا زائد ہے۔ اپنے پہلے سفر نامے کی نسبت وہ یہاں نہ صرف تفصیل فراہم کرتے ہیں بلکہ اندازِ بیاں میں بھی تبدیلی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر پاسپورٹ نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنے ماضی میں کیے گئے حج کی صورتِ حال بیان کرتے ہیں جو کچھ یوں ہے:

"جب میں اپنے ہوٹل سے نکلا تو فوراً پولیس والوں نے مجھے پکڑ لیا اور پاسپورٹ مانگا جو میرے پاس نہ تھا بلکہ ہوٹل میں پڑا ہوا تھا۔ وہ مجھے تھانے لے گئے۔۔۔ اس رات میں بہت گڑ گڑا کر اللہ کے حضور رویا۔ اللہ کو میرا گڑ گڑانا پسند آ گیا۔ ہمیں جب آفیسر کے سامنے پیش کیا گیا تو ان کو اشاروں میں سمجھایا کہ میں توجہ کے لیے آیا ہوا ہوں پاسپورٹ ہوٹل میں موجود ہے۔ آفیسر نے ہمیں جانے کا اشارہ کر دیا۔"[10]

تکرارِ لفظی کی بدولت سفر نامے کا حسن کہیں کہیں ماند پڑ جاتا ہے نیز محمد اخلاق قریشی اپنے لیے کہیں صیغہ واحد اور کہیں صیغہ جمع استعمال کرتے ہیں جس سے جملے کی ساخت اور بناوٹ میں فرق آ جاتا ہے۔ محمد اخلاق قریشی مکہ مکرمہ میں اپنے اس قیام کے متعلق لکھتے ہیں:

"ہم تقریباً چار دن مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور متواتر اپنے پروردگار کے قرب اور ہمسائیگی کا لطف اُٹھاتے رہے۔"[11]

محمد اخلاق قریشی کا تیسرا سفر نامہ "آرزوئے مدینہ" بھی عمرے کی ادائیگی کے حوالے سے لکھا گیا ہے انھوں نے پہلی بار تصاویر کے ذریعے مقدس مقامات سے متعارف کروایا ہے نیز سفر نامے کا احوال، تاریخ اور دن کے ساتھ ڈائری یا روزنامچے کے انداز میں بیان کر کے نئی جدت پیدا کی ہے۔ محمد اخلاق قریشی مدینہ منورہ میں ہونے والی تبدیلی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"آج مدینے کی گلیاں بازاروں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ آج مدینے کے پرانے آثار بلند و بالا عمارتوں میں دب گئے ہیں۔ آج مدینے کی کھجوروں کے باغات فلک بوس محلات اور بڑے بڑے ایوانوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب شہر مدینہ مسجدِ قبا سے لے کر احد تک پھیلا گیا ہے"[12]

محمد اخلاق قریشی نے دلی وارداتوں اور جدائیوں کی ساعتوں کو آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کے ذریعے رقت آمیزی سے اُجاگر کیا ہے۔ یہ سفر نامہ کم و بیش اسی صورتِ حال پر مبنی ہے جو سابقہ دو اسفار "رحمت کی برکھا" اور "گنبدِ خضری کے سائے میں" بیان کی گئی۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو انھوں نے مکہ مکرمہ میں گزارے گئے دنوں کو معمول اور مدینہ منورہ کے حوالے سے جذبات کی بھرپور عکاسی کو شامل کیا ہے۔

خورشید ناظر[13] کا سفر نامہ "ہر قدم روشنی" کے عنوان سے شائع ہوا۔ وہ بہاول پور سے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ہمراہ ملتان حاجی کیمپ آئے۔ اس سفر کا آغاز جدہ ایئر پورٹ سے ہوتا ہے جہاز کے دیگر مسافرین سرزمین حجاز کو حیرت اور اُمید سے دیکھتے ہیں جب کہ ان کا سفر کسی ہوائی جہاز، بحری جہاز یا گاڑی کی بجائے تصور کی آنکھ سے شروع ہوتا ہے جس میں وہ صدیوں کا سفر لمحوں میں طے کر لیتے ہیں۔ خورشید ناظر نے اس حوالے سے یوں اظہارِ خیال کیا:

"روشنیاں، مکان، پٹرول پمپ، پہاڑیاں، انسان، گاڑیاں اور سڑکیں کس کس نے نہیں دیکھیں لیکن یہاں کا یہ سب کچھ مختلف سا لگا۔ کسی سے نسبت نے ان سب چیزوں کو بالکل مختلف بنا دیا تھا۔"[14]

خورشید ناظر نے تاریخی واقعات کو اُجاگر کرنے کے لیے قرآنی آیات، فلیش بیک تکنیک، روایات اور تاریخی کتب سے بھرپور رہنمائی لی ہے۔

بشریٰ رحمن [15] پاکستان کی نامور ادیب ہیں۔ وہ اپنے سفر نامے "باؤلی بھکارن" کے آغاز میں اقوال اور آیاتِ مقدسہ کے ذریعے حج جیسے مقدس فریضے کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہیں نیز حج کی صعوبتیں برداشت کرنے کے اجر وثواب کا بھی حوالہ دیتی ہیں۔ تلمیح عبارت کے حسن کو دوبالا کرتی ہے، بشریٰ رحمن کے ہاں یہ رنگ نہایت دلکش محسوس ہوتا ہے:

"حضرت حاجرہؓ کی ممتا کے صدقے میں حجاج ان پہاڑیوں کے درمیان کا راستہ دوڑ کر ہی طے کرتے تھے۔" [16]

وہ اس سفر نامے میں خود کو مستانی کے نام سے متعارف کرواتی ہیں۔ بشریٰ رحمن بس کے ذریعے جدہ سے مکہ معظمہ پہنچنے کا احوال بیان کرتی ہیں۔ بشریٰ رحمن خانہ کعبہ پہنچ کر اللہ کے حضور اپنی دُعاؤں کا احوال بہت جذباتی انداز میں بیان کرتی ہیں۔

مہر محمد بخش نول [17] کا سفر نامہ "سفر سعادت" حج کے سفر پر مشتمل ہے۔ ایئرپورٹ سے بذریعہ بس ہوٹل روانگی اختیار کی گئی اور رات کے وقت حرم شریف جاکر طواف کیے۔ مزدلفہ منیٰ اور عرفات کے درمیان واقع ہے جہاں رات بسر کرتے ہیں۔ یہاں کھلے میدان میں عازمین حج کنکریاں بھی اکٹھی کر لیتے ہیں تاکہ شیطان کو ماری جا سکیں۔ مہر محمد بخش اس حوالے سے ایک دلچسپ صورتِ حال بیان کرتے ہیں:

"رات دو بجے قطری عرب خواتین کا قافلہ منیٰ کی طرف جانے کے لیے چل پڑا۔ راستہ نہ ملنے پر خاموشی سے بیٹھ جائیں۔ رستہ ملنے پر چل پڑیں جب کہ ایک دو مرد ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ دو گھنٹے جاری رہا۔ اسی اثناء میں ایک پاکستانی جوڑا آیا اور سوئے ہوئے افراد کے اوپر سے چھلانگیں لگاتا ہوا یہ جاوہ جا والا معاملہ نظر آیا جب کہ عرب خواتین کسی بدنظمی کے بغیر اور خاموشی سے گزر گئیں۔" [18]

"سفر سعادت" سفر نامہ حج کے حوالے سے عمدہ کاوش ہے۔ اگرچہ اس میں تجربات و مشاہدات کو شامل نہیں کیا گیا تاہم اہم مقامات کی معلومات کے حوالے سے مہر محمد بخش نول نے انتھک کوشش کی ہے۔ زبان انتہائی سادہ اور الفاظ کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ سفر نامہ اُکتاہٹ میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ حج جیسے عظیم فریضے کے متعلق باریک بینی سے تمام اہم مقامات کی صورتِ حال کو بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ سفر سعادت تجربات و مشاہدات کو نظر انداز کرنے کے باوجود بھی سفر نامہ حج کے حوالے سے انتہائی اہمیت کی حامل ہے:

سفر نامہ "سوئے حجاز" حیدر قریشی [19] کے ان اسفار پر مشتمل ہے جو انھوں نے عمرہ اور حج کی ادائیگی کے لیے سرزمین حجاز میں اختیار کیے۔ اس سفر نامے کی اشاعت اوّل صرف عمرے کی سعادت پر مشتمل ہے۔ وہ اس روداد کو نہایت سادگی اور دلچسپ پیرائے میں بیان کرتے ہیں نیز تاریخی مقامات سے منسوب روایات کا مختصر جائزہ شامل ہے۔۔ "سوئے حجاز" کے حوالے سے شارق جمال لکھتے ہیں:

"یہ سفر نامہ ہر سفر حجاز کرنے والے کے لیے ایک رہبر کی حیثیت رکھتا ہے۔" [20]

حیدر قریشی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کی صورتِ حال اور مقدس مقامات کی زیارت کا احوال نہایت عقیدت و محبت سے بیان کرتے ہیں ان کے اندازِ فکر اور عمل میں نہ صرف اشتیاق کا رنگ غالب ہے بلکہ بے انتہا محبت بھی نظر آتی ہے۔ حیدر قریشی حج اور عمرے کے فرق کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

"حج فرض ہے۔ عمرہ کی حیثیت نوافل جیسی ہے۔۔۔۔ محض فرض پڑھ لینے سے قربِ خداوندی نہیں ملتا۔ قربِ خداوندی کے لیے فرض سے آگے پڑھ کر نوافل کی منازل طے کرنا ہوتی ہے۔"[21]

اس مذہبی سفر نامے میں وعظ و تقریر کی بجائے حیدر قریشی کا اندازِ بیاں نمایاں دکھائی دیتا ہے، دلچسپ اندازِ فکر اور اسلوب کی بناء پر اس سفر نامے میں طنز و مزاح کا بھرپور تاثر ملتا ہے۔ حیدر قریشی نے واقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ تاریخی اور مقدس مقامات کے بارے میں معلومات بھی فراہم کی ہیں۔

سیّد مشہود حسن رضوی[22] نے "برج العرب سے دلہ طیبہ تک" کے عنوان سے حج کا سفر نامہ لکھا۔ ان کا اندازِ بیان مختصر مگر مؤثر ہے۔ وہ تمہید یا غیر ضروری طوالت کے بغیر براہِ راست ہی اپنی گفتگو کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ سفر نامے میں مکہ معظمہ کے اہم تاریخی مقامات کی زیارت کرتے ہوئے غارِ حرا کے متعلق تفصیل بیان کی گئی ہے:

"یہ وہی تاریخی غار ہے جہاں سرکارِ دو عالمؐ کئی کئی شب بسر کرتے تھے۔ اسی مقدس غار میں رمضان المبارک کی ایک شب وحی مبارک نازل ہوئی اور پھر قرآن مجید کی آیات کا نزول شروع ہو گیا۔"[23]

منیٰ میں خیمے نصب کیے گئے تھے جہاں ضروریاتِ زندگی کی ہر سہولت موجود تھی۔ وہ اس موقع پر حجاج کرام کی دُعاؤں اور عبادت میں یکسوئی کو نہایت روح پرور انداز سے بیان کرتے ہیں۔ سیّد مشہود حسن رضوی میدانِ عرفات میں مغفرت اور گناہوں کی بخشش کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عرفات کا میدان دراصل انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جہاں ہر رنگ، ہر نسل، ہر طبقے کے لوگ اللہ رب العزت کے حضور گڑگڑا کر دُعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ میدانِ حشر ہے۔"[24]

سیّد مشہود حسن رضوی نے مشاہدات و تجربات کو بھرپور انداز میں بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔ ان کا زیادہ رجحان صرف دین اسلام کے رکن کی ادائیگی اور اس حوالے سے مذہبی نقطۂ نظر پر مبنی ہے جب کہ ذاتی تجربات و مشاہدات کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے ممکنہ حد تک اجتناب برتا گیا ہے۔

سعید احمد[25] کا سفر نامہ "عقیدتوں کا سفر" عمرے کی سفری روداد پر مشتمل ہے۔ اپنے جذبات کو لفظوں میں ڈھالنے کی کیفیت سے متعلق بیان کرتے ہیں کہ خانۂ کعبہ اور روضۂ مبارک کی زیارت کے حالات و واقعات کو تحریری صورت میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سعید احمد صفا و مروہ کی فضیلت اور وہاں زائرین کی کثیر تعداد اور مکہ معظمہ کی تاریخی اہمیت و عظمت پر روشنی ڈالتے ہیں:

"جو شخص مکہ معظمہ یا حدود حرم میں کسی بھی جگہ ہو اگر اس کو عمرہ کرنا ہو تو واجب ہے کہ رحل سے امام باندھے۔ رحل اس زمین کو کہتے ہیں جو حدود حرم سے باہر اور میقات کے اندر رہے۔"[26]

سعید احمد ان تاریخی مقامات کے حوالے سے تشویش میں بھی مبتلا ہیں کہ کئی مقامات ایسے ہیں جن کے آثار مٹتے جا رہے ہیں۔ وہ مسجدِ نبویؐ کی تاریخی اہمیت کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں جب کہ اس شہر کی اہمیت کے حوالے سے ارقم طراز ہیں:

"مدینہ میں ہی دنیا کی پہلی اسلامی نظریاتی مملکت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ مسجدِ نبویؐ دنیا کی اس اسلامی نظریاتی مملکت کا سیکرٹریٹ بنی تھی۔ مدینہ منورہ کی مسجدِ نبویؐ میں دنیا کی پہلی اقامتی یونیورسٹی بھی قائم کی گئی، جس کو اصحابِ صفہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔"[27]

سعید احمد نے اس سفر نامے میں مذہبی فریضے کی ادائیگی کے علاوہ ایک سیاح کا کردار بھی ادا کیا ہے۔ اس سفر نامے فلیش بیک کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔

نعیمہ راؤ[28] کا سفر نامہ "سفر جذب و شوق" حج کے سفر پر مبنی ہے۔ انھیں اس سفر کے دوران یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی دلی کیفیت کو لفظوں کی صورت میں بیان نہیں کر سکیں گی۔ انھوں نے اس سفر نامے میں تین موضوعات مدنظر رکھے ہیں جن میں عمرہ، زیارت مدینہ منورہ اور حج شامل ہیں جب کہ ان کے ہم سفروں اور تاریخی مقامات کے متعلق بھی آگہی ملتی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کے حضور پیش ہونے کے بعد حجر اسود کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"حجر اسود کو ہمارے پیارے آقا مدنی مصطفیؐ نے یقیناً چوما ہے۔ چومتے اور جھوم جایئے کہ آپ کے لب مبارک اس مبارک جگہ کو مس کر رہے ہیں جہاں یقیناً مدینے والے آقا رسولؐ کے لب ہائے مبارکہ لگے ہیں مچل جایئے، تڑپ اُٹھیے اور ہو سکے تو آنسو بہاتے جایئے یہ بھی سنت ہے۔"[29]

مناسک حج کی ادائیگی کے حوالے سے نعیمہ راؤ خالق کائنات کے حسین گھر میں اپنے آپ کو محو کر لیتی ہے اور ان کا دل جذب و شوق میں مبتلا نظر آتا ہے۔ وہ اپنی کیفیت کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"میں جو آدابِ عشق سے ناواقف تھی اس ہرے رنگ کے گنبد نے وہ رموز آدابِ محمدی سکھائے کہ میں بے خود ہو گئی۔ سبز گنبد اپنی ابدیت اور عظمت کے رنگ لیے میرے سامنے تھا۔"[30]

نعیمہ راؤ جہاں ایک سفر نامہ نگار کی حیثیت سے سامنے آتی ہیں وہیں شاعری کا انتخاب وارداتِ قلبی میں ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ وہ دیگر عازمین حج کے ہمراہ ادائیگی حج کے بعد اس خوف میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ان کا حج قبولیت کی سند پا سکے گا یا نہیں۔ تاہم وہ خود کو ان الفاظ کی صورت میں یقین دہانی کراتی ہیں:

"دل کا اطمینان گواہی دے رہا تھا جیسے ناکام نہیں ہوئی (آمین) مجھے لگا اللہ عزوجل کی رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر جیسے آ رہی ہوں۔ عجیب سی پھوار میں اپنے آپ کو بھگوا پا رہی تھی۔"[31]

سفر نامے میں ہر مقام پر عقیدت و محبت سے گندھے الفاظ اور اشعار قاری پر سحر کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ نعیمہ راؤ کے لہجے میں دھیما پن اور اظہار میں بے پناہ جوش دکھائی دیتا ہے نیز انھوں نے نسوانی لب و لہجے میں پُرنور کیفیتوں کو کمال مہارت سے پیش کیا ہے۔

مجموعی طور پر خطۂ بہاول پور کے حجاز مقدس کے حوالے سے تخلیق کیے گئے اسفار کا جائزہ لیں تو یہاں کے مکینوں کی زندگی روایتی اور مذہبی اخلاقیات کے زیر اثر رہی جس کی وجہ سے باغیانہ یا طنزیہ بیانیہ اظہار کی بجائے مشرقی رکھ رکھاؤ اور وضع داری کا اسلوب حاوی رہا۔ اس خطے میں زیادہ تر سفر نامے حج و عمرہ سے متعلق ہیں جو یہاں کے باسیوں کی مذہب سے عقیدت کا بھرپور اظہار ہیں۔ یہاں کے سفر نامہ نگاروں نے فنی

تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نہایت عمدہ سفر نامے لکھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سفر ناموں میں عقیدت و محبت اور فرطِ جذبات کا اظہار شامل ہے۔ مذہب سے محبت کا خوبصورت اظہار بحیثیت مسلمان ہمیں فخر و انبساط میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ سفر نامے وارداتِ قلبی کا حسین امتزاج ہیں۔ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور عبادت جہاں قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے وہیں ہر صاحب استطاعت مسلمان کی خواہش اور حسرت کا عملی نمونہ ہے۔ ہمارے سفر نامہ نگار اپنے قلم سے یہ پر رونق اور بابرکت مناظر نہ صرف ضابطۂ تحریر میں لاتے ہیں بلکہ قاری خود کو بھی چشم حیراں سے ان مقامات پر ساتھ پاتا ہے۔ ان اسفار کی بدولت اہم اور تاریخی عمارات سے واقفیت ملتی ہے نیز ایسی کئی معلومات انتہائی مفید ثابت ہوتی ہیں کہ جو اسفار مقدس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا سدِباب بن جاتی ہیں۔ خطۂ بہاول پور نہ صرف ادبی حوالے سے اپنا دامن وسیع کیے ہوئے ہے بلکہ اردو ادب کی غیر افسانوی صنف نثر میں سفر نامہ نگاری کے حوالے سے گراں قدر ادبی سرمائے پر مشتمل ہے۔

حوالہ جات

---

[1] مرزا ادیب، ”سفر نامے کی بحث“، مشمولہ ”اوراق“ (لاہور: جنوری / فروری 1978ء)، ص13

[2] جمیل زبیری، (فلیپ) ”دھوپ کنارہ“ (کراچی: بیلا پبلی کیشنز، 1981ء)

[3] گوہر ملسیانی کا اصل نام ”طفیل احمد“ ہے جب کہ قلمی نام گوہر ملسیانی تخلیق کرتے ہیں۔ گوہر ملسیانی کے والد میاں صدر الدین تھے۔ گوہر ملسیانی 1934ء میں ملسیان (ہندوستان) میں پیدا ہوئے جب کہ قیامِ پاکستان کے بعد صادق آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ گوہر ملسیانی درس و تدریس کے شعبے سے منسلک رہے اور ان کا شمار علم وادب کی جانی پہچانی شخصیات میں کیا جاتا ہے۔ گوہر ملسیانی کی اب تک کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

[4] قدسیہ قریشی، ڈاکٹر، ”اُردو سفر نامے انیسویں صدی میں“ (لکھنؤ: نصرت پبلشرز امین آباد، 1987ء)، ص54

[5] گوہر ملسیانی، ”حرمین شریفین کی فضاؤں میں“ (صادق آباد: گوہر ادب پبلی کیشنز، 1998ء)، ص104

[6] محمد اخلاق قریشی ۵ / جولائی ۱۹۳۸ء کو ہندوستان میں پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد بہاول پور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ انھوں نے عملی زندگی کا آغاز محکمہ ریلوے ملتان میں بطور سپیشل ٹکٹ ایگزامینر کیا جب کہ 1964ء میں محکمہ لوکل فنڈ آڈٹ بہاول پور میں بطور آڈیٹر ملازمت اختیار کی۔ محمد اخلاق قریشی کے اب تک تین سفر نامے منظر عام پر آچکے ہیں۔

[7] مقبول بیگ بدخشانی، ”سرزمین حافظ خیام“، (لاہور: غالب پبلشرز، 1979ء)، ص8

[8] محمد اخلاق قریشی، ”رحمت کی برکھا“ (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2002ء)، ص37

[9] محمد اخلاق قریشی، ”رحمت کی برکھا“، ص57

[10] محمد اخلاق قریشی، ”گنبد خضریٰ کے سائے میں“ (بہاول پور: فیڈو کمپیوٹرائز پرنٹنگ پریس، 2005ء)، ص:38-39

[11] ایضاً، ص:343-344

[12] محمد اخلاق قریشی، ”آرزوئے مدینہ“، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2009ء)، ص37

[13] خورشید ناظر بہاول پور کی نہایت متحرک ادبی شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا اصل نام ”خورشید احمد“ ہے جب کہ قلمی نام خورشید ناظر ہے۔ وہ 1944ء میں بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اس شہر میں دو نجی ادارے کھول کر خود کو درس و تدریس کے کاموں میں مصروف کر لیا۔ خورشید ناظر اپنے ذہن و قلب کو مطمئن کرنے کے لیے نثری و شعری ادب کی تخلیق میں مصروف رہے۔

[14] خورشید ناظر، ”ہر قدم روشنی“ (خان پور: میاں محمد بخش پبلشرز، 2003ء)، ص23-24

بشریٰ رشید ادبی حلقوں میں بشریٰ رحمن کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش 29/ اگست 1944ء ہے۔ ان کی شادی عبد الرحمن سے ہوئی جن کا تعلق لاہور سے تھا اور وہ پیشے کے [15] اعتبار سے انجینئر تھے۔ بشریٰ رحمن نے لاہور سے ماہ نامہ "وطن دوست" جاری کیا نیز ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کے لیے بہاول پور میں رشیدیہ آڈیٹوریم تعمیر کرایا۔ بشریٰ رحمن چالیس سے زائد کتابیں لکھ چکی ہیں نیز ٹی وی سیریلز سے بھی انہیں بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔

[16] بشریٰ رحمن، "باؤلی بھکارن"،(لاہور: گورا پبلشرز، 1982ء)، ص103-104

[17] مہر محمد بخش نول2/ جنوری 1945ء کو موضع کوٹ سائی سنگھ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیم ملتان اور بہاول پور میں ملازمت اختیار کی جب کہ یکم جنوری 2005ء کو بطور اسسٹنٹ کنٹرولر امتحانات بہاول پور سے ریٹائر ہوئے اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ مہر محمد بخش نول کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

[18] مہر محمد بخش نول، "سفر سعادت"،(بہاول پور: بہاول چناب پبلشرز، مہر عدنان فیصل، 9۔ بی سی بغداد، اکتوبر 2016ء)، ص71

[19] حیدر قریشی 13/ جنوری 1952ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق خان پور سے ہے۔ حیدر قریشی کا شمار نامور ادیب، شاعر اور ادبی و صحافی شخصیت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ حیدر قریشی تاحال بسلسلۂ روزگار جرمنی میں مقیم ہیں۔ حیدر قریشی ادبی رسالہ "جدید ادب" پاکستان / جرمنی کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ ان کی اب تک کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

[20] نذر خلیق، "حیدر قریشی کی ادبی خدمات"، خان پور: میاں محمد بخش پبلشرز محلہ رحیم آباد، بار اوّل، 2003ء)، ص253

[21] حیدر قریشی، "سوئے حجاز"،(جرمنی: سرور ادبی اکادمی، اشاعت دوم، 2000ء)، ص134

[22] سیّد مشہود حسن رضوی یکم جنوری 1955ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بہاول پور سے حاصل کی نیز اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے اُردو ادب میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ سیّد مشہود حسن رضوی نے بطور مدرّس صادق پبلک سکول بہاول پور میں اپنی خدمات انجام دیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد بہاول پور کی ادبی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہیں۔

[23] مشہود حسن رضوی، سیّد، "برج العرب سے دلہ طیبہ تک"،(بہاول پور: مکتبہ الہام 33۔ سی ماڈل ٹاؤن اے، جولائی 2006ء)، ص42

[24] ایضاً، ص47

[25] سعید احمد بہاول پور کے نامور ادیب ہیں، ان کا سفر نامہ "عقیدتوں کا سفر" عمرے کی روداد پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے کی پہلی قسط یکم فروری 2004ء میں شائع ہوئی اور پھر 16/ جولائی 2005ء کو بیس اقساط پر مشتمل یہ سفر نامہ اختتام پذیر ہوا جب کہ جولائی 2012ء میں حقیقت پبلی کیشنز بہاول پور کے زیر اہتمام کتابی صورت میں شائع ہوا۔

[26] سعید احمد، "عقیدتوں کا سفر"،(لاہور: موسیٰ کاظم پرنٹرز، اشاعت اوّل، جولائی 2012ء)، ص139

[27] ایضاً، ص218

[28]نعیمہ راؤ30/ اپریل 1963ء کو مری میں پیدا ہوئیں۔ والد محمد منیر خان ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر تھے لہٰذا نعیمہ راؤ نے ابتدائی تعلیم مختلف شہروں سے حاصل کی۔ نعیمہ راؤ کی شادی ۱۹۸۷ء میں صادق ایجرٹن کالج بہاول پور میں شعبۂ کیمیا کے اُستاد محمد شفیق راؤ سے ہوئی۔ نعیمہ راؤ گورنمنٹ صادق کالج وومن یونیورسٹی بہاول پور میں بطور لیکچرار اپنی ذمہ داری نبھاتی رہیں۔

[29] نعیمہ راؤ، "سفر جذب و شوق"،(بہاول پور: چولستان علمی و ادبی فورم، جنوری 2010ء)، ص43

[30] ایضاً، ص59

[31] ایضاً، ص61